بسم اللہ الرحمن الرحیم

جہت

اگرچہ سابقہ حکومتوں کے ذمہ دار افراد نے بارہا اس بات کا اعلان کیا تھا کہ وہ ملک کے تمام نظامات کو اسلامی خطوط پر استوار کریں گے۔ بعض نے تو اپنے منشور میں اور پھر اپنے تیار کردہ آئین میں ایسی شقیں بھی شامل کی تھیں جن سے یہ بات واضح ہو رہی تھی کہ واقعتہً اب اس ملک کی حیات اجتماعی کے ہر شعبے میں اسلام نافذ ہو جائے گا لیکن یہ سارے وعدے مواعید صرف زیب قرطاس ہی رہے اور عملی صورت میں ان کا اظہار تو خیر دور کی بات ہے اس سے متضاد صورت حال سامنے آئی۔

اصل میں ۱۹۷۷ء سے اس سمت میں "کچھ" اقدامات شروع ہوئے۔ اور بجا طور پر صدر جنرل محمد ضیاء الحق کی حکومت کو یہ شرف حاصل ہوا کہ اس حکومت نے ملک کے اساسی "نظریہ اسلام" کو عملی شکل میں نافذ کرنے کے سلسلے میں پیش رفت کی۔ اسلامی حدود کا نفاذ۔ زکوٰۃ و عشر کے نظام کا نفاذ۔ بلاسود بینکاری کا آغاز۔ یہ وہ چیزیں ہیں جن کا انکار نہیں کیا جا سکتا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ ان نظامات کے نفاذ سے جن ثمرات کے ظہور کی امید کی جا رہی تھی وہ ہنوز تشنۂ تکمیل ہے۔ تاہم ناامید ہو جانے یا ہمت ہار نے کی ضرورت نہیں ہے۔ اس طرح کے کام تو لگے رہنے سے ہی ہوا کرتے ہیں۔ اگر کسی عمارت کو ڈھانا ہو تو چند گھنٹوں میں اسے مسمار کیا جا سکتا ہے آشیانہ تو تنکا تنکا چن چن کر ہی بنایا جا سکتا ہے۔ البتہ نہایت سنجیدگی، غیر جانبداری اور دیانت داری سے اس بات کا تجزیہ کرنا چاہیے کہ اسلامی حدود و زکوٰۃ و عشر کے نفاذ کے بعد مطلوبہ نتائج کیوں برآمد نہ ہوئے؟ ایک دوسرے پر الزام تراشی اور بدگوئی اور چیز ہے سنجیدگی سے غور کرنے کے بعد یہ بات واضح ہو گی کہ کسی نظام کو نافذ کرنے کے لیے جس مشینری کی ضرورت ہوا کرتی ہے وہ مشینری یا تو سرے سے ہمارے پاس ہے ہی نہیں یا پھر فرسودہ اور از کار رفتہ مشنری سے ہم "نفاذ شریعت" کا کام لینا چاہتے ہیں مثال کے طور پر آپ اسلامی حدود ہی کے نفاذ کا کو دیکھئے کہ ۷۹ء سے یہ نظام نافذ ہے لیکن آج تک کسی شخص پر زنا کی مکمل حد لگی نہ سرقہ یا سرقہ بالجبر کی اس کی اصل وجہ یہی ہے کہ حدود کے مقدمات میں تفتیش کرنے یا مقدمہ قائم کرنے یا اس کی سماعت کرنے اور سزا دینے کی ذمے داری جن لوگوں پر عائد ہے۔

ان کی ساری کی ساری تعلیم و تربیت اور پرورش و پرداخت مغربی طرز پر ہوئی ہے۔ لہٰذا لازماً نظامِ شریعت پر ان کو یقین کا وہ مقام حاصل نہیں ہوگا جو ہونا چاہیے دوسری بات یہ کہ مقدمات کی بنیاد "قانون شہادت" پر ہوتی ہے۔ اور وہی ندارد۔ اب کسی انصاف پسند حاکم سے یہ توقع کرنا کہ ٹاؤٹ قسم کے گواہوں کی شہادت کی بنیاد پر وہ "قطع ید" یا "رجم" کا فیصلہ کر دے گا بے سود ہے اسی طرح یہ امید بھی امید موہوم ہے کہ وہ لوگ جن کے رگ و ریشے میں مغربی نظام قانون پیوست ہے اور جو اس سے ہٹ کر ایک لمحے کے لیے سوچنے کو تیار نہیں ہیں۔ جنہوں نے مصادر فقہ و شریعت کا خاطر خواہ مطالعہ بھی نہیں کیا ہے، جو اسلامی شریعت کی روح سے آشنا تک نہیں ہیں وہ رات بھر میں اس قابل بن جائیں گے کہ قاضیان سلف کی طرح مقدمات کا فیصلہ کرنے لگیں گے۔

انہی حالات کی روشنی میں حکومت نے فیصلہ کیا ہے کہ بہت جلد تجرباتی طور پر ہر صوبے کے ایک ایک ضلع میں نظام قضا نافذ کیا جائے۔ اور ان تمام موانع کو دور کرنے کی کوشش کی جائے جو اسلامی نظام عدل کے نفاذ میں حائل ہیں۔ اللہ کرے یہ منصوبہ جلد از جلد کامیاب ہو۔ آمین تاہم ضروری ہے کہ مندرجہ ذیل امور کو ملحوظ رکھا جائے۔

۱۔ قاضیوں کے انتخاب کے وقت صرف ڈگری ہی نہ دیکھی جائے بلکہ ان کا تقویٰ۔ دینی حمیت۔ اسلامی شریعت پر یقین۔ دینی علوم میں مہارت تامہ۔ استنباط مسائل اور قیاس کرنے کی صلاحیت اور ان کا متبع شریعت ہونا بھی دیکھا جائے۔

۲۔ قاضیوں کے تقرر کے لیے جو کمیٹی تشکیل دی جائے اس میں خاص کر ایسے ماہرین فقہ اور ماہرین قانون کو شامل کیا جائے جو فرقہ وارانہ تعصبات اور سیاسی مفادات سے بالا ہوں اور محض اپنے علمی اور ماہرانہ تشخص کی بنیاد پر متعارف ہوں۔

۳۔ قضاۃ کے تقرر کے لیے مقابلے کا جو امتحان منعقد ہو اس میں مدارس کے ان فضلاء کو شریک ہونے کا ضرور موقع دیا جائے جنہوں نے لاہور اور فیصل آباد کے متعدد دینی مدارس کی طرف سے منعقد کی گئی قاضی کلاسوں کے نصاب کی تکمیل کی ہے اور کامیاب ہوئے ہیں۔

۴۔ فقہ اسلامی کا ماہر اگر ایل ایل بی بھی ہو تو یقیناً وہ قابل ترجیح ہے مگر ایل ایل بی کی ڈگری ہی کو اہمیت دینے سے وہ مقاصد ہرگز نہیں پورے ہوں گے جو اسلامی نظام عدل کے قیام کے لیے ضروری ہیں۔ اس لیے اہمیت تو فقہی مہارت کو دی جائے جدید قانون کا علم اس پر مستزاد متصور ہو۔

۵۔ قاضیوں کی تربیت کے لیے ہر صوبے کے مرکز میں فی الفور ایک ایک "اکادمی" قائم کر دی جائے

ورنہ غیر تربیت یافتہ قاضی اتنے مقدس "اقدام" کو بدنام کر دیں گے اور اس ملک میں نفاذِ شریعت کا مستقبل (خدانخواستہ) تاریک ہو جائے گا۔

۶۔ قاضیوں کی تنخواہیں اور دیگر مراعات ایسی رکھی جائیں کہ رشوت لینے کا ان کے دل میں کبھی خیال بھی نہ آئے۔

۷۔ اگرچہ جاری شدہ قاضی کورٹس آرڈیننس ۱۹۸۲ء میں اس بات کا خصوصیت کے ساتھ اہتمام کیا گیا ہے کہ مقدمات کے فیصلے میں حسبِ سابق غیر ضروری تاخیر نہ ہو اور غالباً اسی لیے اپیل در اپیل کے چکر کو کم کرنے کی کوشش کی گئی ہے نیز لگاتار سماعت کے نظام کو بھی اختیار کیا گیا ہے۔ مگر اس کے لیے ضروری ہے کہ کثیر تعداد میں قاضی ہوں جو جلد جلد مقدمات نمٹائیں۔ اور یہ بھی ایک حقیقت ہے کہ ہمارے ملک میں قحط الرجال ہے۔ اس مسئلہ کا حل یہ ہے کہ ماہرین کی ایک کمیٹی فی الفور وفاقی سطح پر ایک نصاب قضا مرتب کرے اور ہر صوبائی دارالحکومت میں ایک ایک یا دو دو بڑے دینی مدارس میں "نصاب قضا" کے تحت تعلیم شروع کرا دی جائے اور پھر سی۔ ایس۔ ایس کی منج پر ان کے امتحانات کا نظام قائم کیا جائے۔ امتحان میں کامیاب ہونے والوں کو "قاضی اکادمی" میں تربیت دے کر انہیں اس عہدے پر متمکن کیا جائے۔

۸۔ مذکورہ آرڈیننس میں معاونین (جیوری سسٹم) کی شرط غیر ضروری ہے۔ اس سے فیصلے میں تاخیر کا اندیشہ ہے۔ البتہ قاضی کو اختیار دیا جائے کہ اگر وہ کسی مسئلہ میں الجھ جائے تو حسب منشاء مستند ماہرین فقہ سے مشورہ کر لیا کرے۔

یہ تو وہ باتیں ہیں جو فی الحال سمجھ میں آ رہی ہیں۔ جب قاضی کورٹس قائم ہو جائیں گے تو بہت سے مسائل اور دشواریاں سامنے آئیں گی۔ تاہم اگر نیت میں خلوص ہو اور پوری قوم عزم بالجزم کے ساتھ آگے بڑھے تو اللہ تعالیٰ ضرور ہماری مدد فرمائے گا اور راستے کی تمام مشکلات حل ہوتی چلی جائیں گی۔

السعی منا والاتمام من اللہ

محمد تقی عثمانی